بحث ونظر

مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورۂ فیل پر اعتراضات کا جائزہ

مولانا نسیم ظہیر اصلاحی

"مولانا حمید الدین فراہی کی علمی قابلیت اور معرفت کتاب الٰہی کے متعلق دنیائے اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنی فکری صلاحیت، اجتہادی بصیرت، اور قرآن کی معرفت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، مولانا کی بے پناہ قابلیت کا اندازہ ان کی "قرآنی تصانیف" اور "اجزائے تفاسیر" سے لگایا جاسکتا ہے اور معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مرحوم کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے وہ شائبہ مبالغہ سے قطعاً پاک ہے۔"[1]

مولانا حمید الدین فراہیؒ کے اجزائے تفاسیر میں "تفسیر سورہ فیل" بھی ہے، اس میں انھوں نے بڑے مدلل طور پر اس عام خیال کی تردید فرمائی ہے کہ ابرہہ کے لشکر کی بربادی سمندر کی جانب سے آئی ہوئی چڑیوں کی سنگ باری سے ہوئی تھی، اور قریش اور دوسرے اہل مکہ، ابرہہ اور اس کے لشکر جرار کے خوف کی وجہ سے دامن کوہ میں بھاگ کر چھپ گئے تھے، حضرت مولانا کی تحقیق کے مطابق قریش اہل مکہ اور اس وقت باہر سے زیارت کعبہ کے لیے آئے ہوئے حاجیوں نے ابرہہ کے لشکر کا نہایت جم کر مقابلہ کیا تھا اور ان کی شدید سنگباری اور خدا کی نصرت اور تائید سے ابرہہ کا پورا لشکر تتر بتر ہوگیا، اس میں شدید بھگدڑ مچ گئی اور یہ یہاں گرا وہ وہاں گرا، یہ یہاں مرا وہ وہاں مرا کا عالم تھا۔

مولانا فراہیؒ کی اس تحقیق سے جو بڑے غور وفکر کا نتیجہ اور قطعی دلائل وشواہد پر مبنی ہے بعض اہل علم کو اتفاق نہیں ہے، انھیں لوگوں میں مولانا شبیر احمد صاحب ازہر میرٹھی بھی ہیں، موصوف نے

---

[1] جمعیۃ العلماء ہند کا ترجمان روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی، ۱۴ رجون ۱۹۳۶ء

ماہنامہ "جامعۃ الرشاد" اعظم گڑھ، کے اکتوبر، نومبر ۱۹۸۵ء کے شمارہ میں مولانا فراہی کے مذکورہ بالا خیالات پر بعض اعتراضات کیے ہیں، سطور ذیل میں انھیں اعتراضات کا جائزہ لیا جائے گا۔

پہلا اعتراض

مولانا شبیر احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"طیر" سے مردار خور پرندے مراد سمجھنا محض بے دلیل بات ہے، بعض شعرائے عرب نے فخریہ اشعار میں یہ مضمون باندھا ہے کہ جنگ میں ہماری فتح مندی وظفر یابی یقینی ہے، ہم جب اپنے بہادر شہسواروں کو لے کر دشمن کی طرف روانہ ہوتے ہیں تو ہمارے ساتھ گدھوں کی ٹولی بھی فضا میں سرگرم پرواز ہو جایا کرتی ہے، کیونکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ ہم دشمنوں کو قتل کر ڈالیں گے تو انھیں کھانے کے لیے لاشیں نصیب ہوں گی، مولانا فراہیؒ نے اس شاعرانہ مبالغہ آرائی کو حقیقت واقعہ سمجھ لیا کہ فی الواقع کسی کو کوچ کرتا ہوا دیکھ کر گدھ اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں، حالانکہ عرب وعجم میں، ملک ملک میں، لاکھوں جنگیں ہوئی ہیں، فوج کشیاں کی گئی ہیں، لیکن آج تک کسی چھوٹی بڑی فوج کو کوچ کرتی ہوئی دیکھ کر گدھ اس کے ساتھ نہیں ہوئے۔"

یہ اعتراض بہت مبہم ہے کہ "طیر" سے مردار خور پرندے مراد سمجھنا محض بے دلیل بات ہے" اس کا اگر مطلب یہ ہے کہ لفظ "طیر" مردار خور پرندوں کے معنی میں آتا ہی نہیں ہے تو یہ بجائے خود بے دلیل ہے، آخر اس سے مردار خور پرندے کیوں مراد نہیں ہو سکتے؟ لفظ "طیر" "طاریطیر" کا مصدر ہے، جس کے معنی ہوا میں دونوں بازو سے اڑنے کے ہیں، پھر اسی سے منقول ہو کر پرندوں کے معنی میں استعمال ہونے لگا، عام اس سے کہ پرندہ چھوٹا ہو یا بڑا، علاوہ ازیں قرآن مجید اور کلام عرب دونوں میں یہ لفظ مردار خور پرندوں کے معنی میں صراحتہً استعمال ہوا ہے، قرآن مجید میں ہے۔

وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ (یوسف ۴۱)	اور دوسرے کو سولی دی جائے گی اور اس کے سر کو پرندے کھائیں گے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ	اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے

مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ (حج ۳۱) — تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں۔

ان دونوں آیتوں میں لفظ "طیر" مردار خور پرندوں کے معنی میں صراحۃً استعمال ہوا ہے، کلام عرب میں بھی اس کی بیشمار مثالیں موجود ہیں، پھر آیت میں "طیر" کی صفت "ابابیل" آئی ہے، جو گھوڑوں کی جماعت یا بڑی چڑیوں کے لیے بولا جاتا ہے، چنانچہ زہیر ابن ابی سلمیٰ کا شعر ہے

وبالفوارس من ورقاء قد علموا — فرسان صدق على جرد ابابيل

اور ورقار کے ان شہسواروں کے ساتھ جو اصیل غول در غول گھوڑوں پر سوار تھے، اور جن کی شجاعت مسلم تھی۔

اعشیٰ کا شعر ہے۔

طريق وجبار رواء اصوله — عليه ابابيل من الطير تنعب

ان تمام شواہد کی موجودگی میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ لفظ "طیر" گدھ یا دوسرے مردار خور پرندوں کے معنی میں نہیں آیا ہے یا اس معنی میں آتا ہی نہیں ہے، اگر مولانا محترم کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سیاق وسباق کے اعتبار سے "طیر" کو مردار خور پرندوں کے معنی میں لینا بے دلیل ہے تو اس کے جواب میں صرف یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ مولانا فراہیؒ نے اس کے متعلق عقلی ونقلی دلائل وشواہد کا انبار لگا دیا ہے مولانا میرٹھی صاحب نے انھیں یکسر نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ جب تک ان دلائل کی تردید نہ ہو مولانا کا اعتراض بے معنی ہوگا۔ یہاں مولانا فراہی کے دلائل کا ذکر موجب طوالت ہوگا۔ البتہ سورہ فیل میں مذکور چڑیوں کے متعلق بعض ان روایتوں کے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں جن سے مولانا فراہیؒ کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے اور جن پر انھوں نے اعتماد کیا ہے اور جنھیں مولانا میرٹھی صاحب بغیر دلیل رد کر رہے ہیں۔ ان چڑیوں کے بارے میں حضرت عکرمہؓ سے روایت ہے۔

كانت طيرا اخضر اخرجت من البحر لها رؤس كرؤس السباع [۱] — یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں جو سمندر سے آئی تھیں اور ان کے سر درندوں کے سر کی طرح تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

لها خراطيم كخراطيم الطير واكف كاكف الكلاب [۲] — ان کے چڑیوں کی طرح کے سونڈ اور کتے کے پنجوں کے مانند چنگل تھے

---

[۱] [۲] یہ دونوں روایتیں تفسیر ابن جریر ج ۳۰ ص ۲۹۸ میں ہیں یہ دوسری روایت متعدد طرق سے مروی=

حضرت سعید بن جبیر سے مروی ہے

طیر خضر، لہا مناقیر صفر تختلف علیہم[۱] — یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں اور زردگوں چونچوں سے ان کا گوشت کھاتی تھیں۔

مولانا میرٹھی صاحب فرماتے ہیں کہ "کسی جنگی ٹولے کو کوچ کرتا ہوا دیکھ کر مردار خور چڑیوں کا ان کی کامیابی کا یقین کر کے ان کے ساتھ ہو لینا محض شاعرانہ مبالغہ آرائی ہے" ممکن ہے کہ "چڑیوں کا یقین کرنا کہ لشکر ضرور کامیاب اور فتح مند ہوگا" شاعرانہ مبالغہ آرائی ہو، لیکن کسی فوج کو کوچ کرتے ہوئے دیکھ کر گدھ وغیرہ مردار خور پرندوں کا اس کے ساتھ ہو جانا کوئی مستبعد نہیں ہے، آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی کھیت میں ہل بیل یا ٹرکٹر سے جوتائی شروع ہوتی ہے تو چھوٹے چھوٹے پرندے ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں، اس لیے کہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ زمین جوتے جانے پر اس کے اندر سے کیڑے مکوڑے نکلیں گے جو ان کی غذا بنیں گے، اسی طرح ہمارے یہاں دیہاتوں میں کسی گڈھے یا تالاب میں مچھلی کا شکار کرنے کے لیے جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو ان کی بھیڑ بھاڑ اور شور و شغب کے ساتھ ہی اس تالاب کے اردگرد، چیل کوے اور گدھ وغیرہ مختلف چڑیاں منڈلانے لگتی ہیں، جب آج مچھلی کا شکار شروع ہونے سے پہلے محض اس کی تمہید کا منظر دیکھ کر چڑیوں کا یہ حال ہوتا ہے تو پھر چودہ پندرہ سو سال پہلے جبکہ دنیا اتنی زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ نہیں تھی اور جنگ کے میدانوں میں لاشیں سڑتی گلتی رہتی تھیں[۲]۔ کسی جنگی لشکر کو کوچ کرتے ہوئے یا لڑائی ہوتے ہوئے دیکھ کر مردار خور پرندوں کا وہاں منڈلانا یا لشکر کے ساتھ ہو جانا کون سی مستبعد بات ہے؟

= ہے اس میں خرطوم کا لفظ استعمال ہوا ہے جو شکاری چڑیوں کے لیے مستعمل ہے چنانچہ امراء القیس کا شعر ہے

کان خرطومہا منشال کانہا لقوۃ طلوب (وہ اونٹنی جھپٹنے والے پر عقاب کی طرح ہے، جس کی چونچ کرچھے کے مانند ہے) (تفسیر سورہ فیل از مولانا فراہی ص۶۶ طبع ۱۹۳۶ء)

[۱] ابن جریر ج ۲ ص۲۹۸

[۲] جیسا کہ ایک حماسی شاعر کہتا ہے کم ترکنا ھناک من بطل تسفی علیھا الریاح فی لممہ

(ہم نے وہاں میدان میں بہت سے بہادروں کو اس حال میں چھوڑ دیا کہ ہوائیں ان کے بالوں کے جوڑوں پر خاک اڑاتی تھیں)

اس شعر کے بارے میں مولانا میرٹھی صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ صرف شاعرانہ مبالغہ آرائی ہے کیونکہ شاعر حمیری ہے اور یہ جس جنگ کا واقعہ ہے اس میں قبیلہ حمیر کو بنو عبد مناف نے شکست فاش دی تھی اور بہت سوں کو قتل کیا تھا اسی جنگ کی تصویر کشی شاعر نے اپنے اشعار میں کی ہے چنانچہ مولانا مفتی اعزاز علی صاحب شرح حماسہ میں لکھتے ہیں۔ =

دوسرا اعتراض

مولانا میرٹھی صاحب اپنے دوسرے اعتراض کے تحت لکھتے ہیں

"پہاڑ کے اوپر سے کسی گروہ پر سنگباری اس صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ وہ گروہ پہاڑ کے دامن میں ہو، اس صورت میں پہاڑ کے اوپر سے جو پتھر پھینکے یا لڑھکائے جائیں گے ان سے اس گروہ کو نقصان پہنچے گا، لیکن ابرہہ کی فوج کو وادی محسر میں تباہی کا سامنا کرنا پڑا ہے، جن لوگوں نے وادی محسر دیکھی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کے داہنی طرف یا بائیں جانب کے پہاڑ اتنے نزدیک نہیں کہ ان کے اوپر سے پھینکے ہوئے پتھر ان لوگوں کو ہلاک یا زخمی کر ڈالیں جو وادی محسر میں ہوں، مولانا فراہیؒ نے اپنی آنکھوں سے وادی محسر دیکھی ہوتی تو ہرگز یہ تاویل نہ کرتے۔"

یہ تسلیم ہے کہ ابرہہ کی فوج کو وادی محسر میں تباہی کا سامنا کرنا پڑا جو ایک لمبی چوڑی وادی ہے، اور بائیں جانب پہاڑ دور ہی واقع ہیں، اس لیے اس وادی میں ٹھہرے ہوئے لشکر پر پہاڑ کے اوپر سے پتھر مارنا یا لڑھکانا بہت مشکل تھا، مگر یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عربوں کے سامان جنگ میں ایسے ہتھیار نہیں تھے، جن سے دور دراز تک پتھر مارے جا سکتے ہوں؟ ہمارے خیال میں مولانا میرٹھی صاحب نے اس پہلو پر غور نہیں فرمایا ورنہ وہ ایسی بے وزن بات ہرگز نہ تحریر فرماتے، منجنیق، قذاف، قذافہ فلاخن اور گوپھن وغیرہ عربوں کے خاص ہتھیار تھے۔ جن کے ذریعہ وہ دور ہی سے ایسی شدید سنگ باری کرتے تھے کہ مقابل لشکر کو منٹوں میں تتر بتر ہو جانے پر مجبور کر دیتے تھے، جن کتابوں[1] میں جاہلی عربوں کی لڑائیوں (ایام العرب) کا مفصل تذکرہ ہے ان میں ان ہتھیاروں کے استعمال کا بھی جگہ جگہ ذکر آیا ہے، لسان العرب میں بھی ہے کہ

= وفیہ یقول شاعر من حمیر و انصف فیما قال ولذا عدت ھذہ الابیات من المنصفات — اسی جنگ کے بارے میں حمیر کا شاعر کہتا ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے بالکل صحیح کہا ہے اسی لیے اس کے ان اشعار کو "منصفات" میں سے قرار دیا گیا ہے۔

[1] مثلاً ابو عبیدہ کی "شرح النقائض" اور میدانی کی "مجمع الامثال" وغیرہ۔

قیل لاعرابی کیف کانت حروبکم؟ فقال کانت بیننا حرب عون، تفقأ فیھا العیون فتارۃ نجنق واخری نرشق[1]

کسی اعرابی سے پوچھا گیا کہ تمہاری جنگیں کیسی ہوتی تھیں تو اس نے کہا کہ ہمارے درمیان بڑی سخت جنگ ہوتی تھی، اس میں آنکھیں پھوٹ جاتی تھیں، کبھی ہم منجنیق سے پتھر مارتے تھے تو کبھی تیر چلاتے تھے۔

جنگ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی منجنیق نصب کرنے کا حکم فرمایا تھا، اور اس حکم کی تعمیل ہی نہیں کی گئی بلکہ اس سے کام بھی لیا گیا تھا۔[2]

ابرہہ کا لشکر بہت بڑی تعداد میں تھا اور ہر طرح مسلح تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اس سے گوریلا جنگ کی جائے (جس کے عموماً عرب عادی تھے) پھر منجنیق اور قذاف وغیرہ سے سنگباری کرنے کے لیے یہ ضروری بھی ہوتا ہے کہ مدمقابل لشکر کچھ دوری پر ہو، اس لیے وادی محسر کے بیچ میں ابرہہ کے لشکر کا پڑنا جنگی اعتبار سے عربوں کے حق میں تھا، نہ کہ ان کے خلاف، چنانچہ انھوں نے دونوں طرف سے ان کو گھیر کر اپنی منجنیقوں کے ذریعہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔[3]

تیسرا اعتراض

مولانا میرٹھی صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں:-

"تاریخ عالم میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ دامن کوہ سے گذرتے ہوئے کسی لشکر کو فریق مقابل کے آدمیوں نے پہاڑ کے اوپر سے وزنی پتھر لڑھکا لڑھکا کر سخت نقصان پہنچایا ہے، اور وزنی پتھر لڑھکائے ہی جاتے ہیں ہاتھوں میں لے کر دور نہیں پھینکے جا سکتے، پس اگر لشکر ابرہہ کی تباہی بھی اسی طرح ہوئی ہوتی تو آیت میں لڑھکانے کا ذکر ہوتا، حالانکہ آیت میں "رمی" یعنی پھینکنے کا ذکر ہے"۔

---

[1] لسان العرب ج ۱۰ ص ۳۷ مادہ ج ن ق

[2] عرب کی تاریخ و جغرافیہ پر مولانا فراہیؒ کی بڑی گہری نظر تھی خصوصاً ان جگہوں کا انھیں بخوبی علم تھا جن کا کسی حیثیت سے قرآن پاک سے تعلق تھا، مولانا کو بیت اللہ کی زیارت کا بھی شرف حاصل تھا، اس لیے انھوں نے بچشم خود ان تمام مقامات کا مشاہدہ فرمایا ہوگا، اس اعتراض میں ان پر وادی محسر نہ دیکھنے کا طنز سراسر ناروا اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔

اس کا جواب اس سے پہلے والے اعتراض میں گذر چکا ہے کہ عربوں کے سامانِ جنگ میں منجنیق، قذافہ اور گوپھن وغیرہ بھی تھے، جن سے وہ شدید سنگباری کرتے تھے، ان ہتھیاروں کے ذریعہ بڑے بڑے پتھر اوپر سے لڑھکائے نہیں جاتے تھے، بلکہ اوٹ سے چھپ کر یا سامنے ہی سے دشمنوں پر پتھر پھینکے جاتے تھے، منجنیق اور قذاف وغیرہ کے جنگی استعمال کا غالباً مولانا کو علم نہیں ہے یہاں ائمہ لغت کے بعض اقوال پیش کئے جاتے ہیں۔

منجنیق: اٰلة حربية ترمیٰ بها القذائف[1]	منجنیق ایک ایسی جنگی مشین ہے جس کے ذریعہ پتھر پھینکے جاتے ہیں۔
القذاف: الذی یرمی بها الشیٔ فیبعد[2]	قذاف ایک مشین ہے جس کے ذریعہ کوئی چیز دور پھینکی جاتی ہے۔

صاحب لسان العرب نے یہ اشعار نقل کیے ہیں

لمّا اتانی الثقفی الفتان — فنصبوا قذافة بل ثنتان[3]

جب ثقفی نوجوان ہمارے پاس آئے تو انھوں نے ایک نہیں بلکہ دو پتھر مارنے کی مشین نصب کی

مزاد کا شعر ہے:

قذیفة شیطان رجیم رمیٰ بها — فصارت ضواةً فی لهازم ضرزم[4]

یہ وہ اوزار ہیں جن سے عرب پتھر مارا کرتے تھے، صرف ہاتھوں سے نہیں مارتے تھے، جیسا کہ مولانا میرٹھی صاحب کا خیال ہے، شمشیر زنی اور سنگباری ان کا روزانہ کا معمول تھا۔ وہ ان سب کے بڑے ماہر تھے، پھر یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ انھوں نے نہتے ہوکر اس لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا ہوگا؟ بلاشبہ انھوں نے جبکہ وہ حالت احرام میں بغیر تیر اور تلوار کے تھے ان ہتھیاروں کو ضرور استعمال کیا ہوگا جو اس وقت ممکن الحصول تھے اور انھیں ہتھیاروں کے لیے جیسا کہ پہلے مثالوں سے ثابت ہوچکا ہے "رمی" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس لیے آیت میں لفظ "ترمی" واقعہ اور اقتضائے حال کے عین مطابق ہے اس پر سرے سے کوئی اعتراض ہی وارد نہیں ہوتا، لڑھکانے کی بات تو محض مولانا شبیر احمد صاحب میرٹھی کی اپج اور اختراع ہے، مولانا فراہیؒ

---

[1] الافصاح ص ۱۹۹ طبع قاہرہ ۱۹۲۹ء [2] ایضاً و لسان العرب ج ۹ ص ۲۷۷ مادہ ق ذ ف [3] ص ۲۷۷ [4] لسان العرب ج ۹ ص ۲۷۷

نے لڑھکانے کی کوئی بات ہی نہیں لکھی ہے کہ اس پر کوئی اعتراض وارد ہو۔

چوتھا اعتراض

مولانا میرٹھی صاحب کا چوتھا اعتراض یہ ہے۔

"اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ پھینکے ہوئے پتھر "سجیل" کی جنس کے پتھر تھے، مولانا فراہیؒ کو بتانا چاہیئے تھا کہ اگر ابرہہ کی فوج پر اہل مکہ نے سنگ باری کی تھی تو سجیل کے سنگریزے کہاں سے لائے تھے، جبکہ مکہ و نواحِ مکہ بلکہ تمام حجاز کی سرزمین میں سجیل کے پتھر پائے ہی نہیں جاتے۔"

مولانا میرٹھی صاحب کا یہ اعتراض بھی بالکل بے سروپا ہے کہ "مکہ و نواح مکہ بلکہ تمام سرزمین حجاز میں سجیل کے پتھر پائے ہی نہیں جاتے" کیوں کہ انھوں نے اس بے بنیاد دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں ہے، ایسے بے ثبوت دعویٰ کی موجودگی میں کون مان سکتا ہے کہ پوری سرزمین حجاز میں کنکر (سجیل) پائے ہی نہیں جاتے، کنکر ایک معمولی چیز ہے اس کا ہر جگہ ہونا ممکن ہے، جن لوگوں نے اس وادی کو دیکھا ہے اور جو لوگ مکہ اور حجاز میں رہ چکے ہیں ان سے دریافت کرنے پر یہی معلوم ہوا کہ وہاں کنکر پائے جاتے ہیں خصوصاً وادی محسر کا علاقہ تو کنکروں سے بھرا پڑا ہے۔

قرآن مجید میں دو جگہ اور لفظ "سجیل" آیا ہے۔

۱۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ (ہود: ۸۲) — اور اس سرزمین پر ہم نے کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے جو لگاتار گرتے رہے۔

۲۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ (حجر ۷۴) — اور ہم نے ان پر سجیل کے پتھر برسائے۔

ایک دوسری جگہ سجیل کی تعبیر اس طرح کی گئی ہے۔

لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ (ذاریات ۵۱) — تاکہ ہم ان پر کنکر برسائیں

ان آیتوں میں عرب بائدہ کا ذکر ہے جن کو ایسی شدید اور تباہ کن آندھی کے ذریعہ ہلاک کیا گیا تھا، جو اپنے ساتھ "سجیل" کے قسم کے پتھر لیے ہوئے آئی تھی، اور مسلسل کئی روز تک چلتی رہی، یہ قومیں عرب تھیں اور سرزمین حجاز میں آباد تھیں، انھیں ہلاک کرنے والی آندھی کہیں دور دراز سے کنکر پتھر

لے کر نہیں آئی تھی، بلکہ وہ جن راستوں سے گذرتی تھی انھیں میں پڑے ہوئے کنکر پتھر اپنے ساتھ اڑاتے ہوئے چلتی تھی، اب اگر اس علاقہ میں سجیل کے قسم کے پتھر پائے ہی نہیں جاتے جیسا کہ مولانا میرٹھی صاحب کا دعویٰ ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آندھیاں بھی اپنے ساتھ "سجیل" کے پتھر کہاں سے لائی تھیں؟ مولانا ان آیات پر بھی ذرا ٹھہر کر غور فرما لیتے تو یہ عجیب و غریب اعتراض ہرگز نہ فرماتے، اگر بالفرض مولانا کی یہ بات تسلیم ہی کر لی جائے کہ سجیل کے پتھر حجاز میں پائے ہی نہیں جاتے تو یہ بات کس طرح مانی جاسکتی ہے کہ "بحجارة من سجیل" سے مراد وہی پتھر ہے جس کو "جلاکر پیس کر عمارتی چونا بنایا جاتا ہے"؟[1] حالانکہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

قال ابن عباس، سجیل معناہ سَنْكِ وكِلْ، یعنی بعضہ حجر وبعضہ طین[2]	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سجیل کا معنی سنگ اور گل ہے یعنی اس کا کچھ حصہ پتھر اور کچھ مٹی ہے۔

کیا اس کے بعد بھی مولانا میرٹھی صاحب کو اپنے اخذ کردہ مفہوم پر اصرار ہوگا؟

پانچواں اعتراض

اب مولانا کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ اعتراض ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

"سجیل" کے قسم کے سنگریزے مار کر تین چار ہزار آدمی ساٹھ ہزار آہن پوش فوج کو کوئی خاص گزند نہیں پہنچا سکتے، سب کو ہلاک کر ڈالنے اور کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دینے کا ذکر ہی کیا"

یہ اعتراض بڑا مضحکہ خیز ہے کیونکہ "سجیل" (سنگریزے) برسانے والے خواہ عرب ہوں یا چڑیاں، دونوں ہی صورتوں میں یہ اعتراض وارد ہوسکتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ اپنے گھر کی حفاظت کرنے اور اس کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے چڑیوں کے پھینکے ہوئے چنے اور دال کے برابر[3] سنگریزوں میں اتنی قوت دے سکتا ہے کہ وہ گولیوں اور بموں کا کام کریں تو کیا وہی خدا اُس

---

[1] مولانا میرٹھی صاحب نے اپنی تفسیر میں سجیل سے مراد اسی پتھر کو لیا ہے اور خط کشیدہ جملہ انھیں کا ہے۔

[2] تفسیر رازی ص ۱۰۱ ج ۳۲

[3] تاریخ اور تفسیر کی تمام کتابوں میں ہے کہ چڑیوں کے پھینکے ہوئے پتھر چنے یا دال کے برابر تھے۔

بات پر قادر نہیں ہے کہ جب اس کے چند ہزار کمزور بندے کفن بردوش اس کے گھر کی حفاظت کے لیے ایک جہاد عظیم میں مصروف ہوں اور ان کا سردار (عبدالمطلب) خانہ کعبہ کے دروازہ پر کھڑا ہو کر اپنے خدا کے حضور یہ پر درد دعا کر رہا ہو:

اللھم ان المرء یمنع رحلہ فامنع رحالك

اے اللہ آدمی اپنے اہل کی حفاظت کرتا ہے پس تو بھی اپنے لوگوں کی حفاظت کر

لا یغلبن صلیبھم ومحالھم ابدا محالك

ان کی صلیب اور قوت تیری قوت پر غالب نہ ہو

ان کنت تارکھم وقبلتنا فامر مابدا لك

اگر تو ہمارے قبلہ کو ان کے زیر نگیں کرنا چاہتا ہے تو وہی کر جو تیری مرضی ہو

یارب لا ارجو لھم سواك یارب فامنع عنھم حماك[1]

اے اللہ میں ان کے بارہ میں تیرے سوا کسی اور سے امید نہیں رکھتا، پس تو اپنے گھر کی آپ سے حفاظت کر تو ان کے پھینکے ہوئے کنکروں اور پتھروں میں ایسی قوت نہ رکھ دے کہ ساٹھ ہزار نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد پر مشتمل فوج ان کی سنگ باری کی وجہ سے تباہ و برباد ہو جائے؟ مزید براں جبکہ ان کی سنگ باری کے ساتھ تائید غیبی کے طور پر آسمان سے بھی سنگ باری ہو رہی ہو؟

ہم اپنی بات کی مزید وضاحت کے لیے مولانا فراہیؒ کی تفسیر سورہ فیل کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"اس کی سب سے پہلی مثال غزوۂ بدر میں ملتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں، اور قریش کی طرف رخ کر کے فرمایا "شاھت الوجوہ" "خدایا یہ چہرے بگڑ جائیں" اس کے بعد کنکریاں ان کی طرف پھینکیں اور صحابہؓ سے فرمایا "بڑھو" نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کفار کو آنکھوں کی پڑ گئی، اسی کی نسبت سورہ انفال میں فرمایا:- وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ (۱۷) (جب تم نے کنکریاں ماریں تو تم نے نہیں ماریں بلکہ اللہ نے ماریں) دیکھو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رمی، کو اپنی رمی کے لیے سبب ظاہر اور پردہ بنایا گو اس موقع پر دو طرف سے کنکریاں پھینکی گئیں ایک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جس کو کفار نے دیکھا

---

[1] تفسیر رازی ج ۳۲ ص ۹۶

اور ایک خدا کی طرف سے جس کو وہ نہ دیکھ سکے، لیکن اس کے اثر کو انھوں نے محسوس کیا، اسی لیے آیت میں نفی اور اثبات دونوں ساتھ ساتھ آئے ہیں، بعینہٖ یہی صورت، واقعہ فیل میں بھی نظر آتی ہے، قریش سنگباری کے زور سے ابرہہ کی فوج کو کعبہ سے دفع کر رہے تھے، خداوند تعالیٰ نے اسی پردہ میں، ان پر آسمان سے سنگباری کر دی، چنانچہ جس طرح غزوہ بدر کی رمی کو اپنی طرف منسوب کیا (ولکن اللہ رمیٰ) اسی طرح یہاں بھی کفار کو کھانے کے بھس کی طرح بنا دینا، اپنی قوتِ قاہرہ کی طرف منسوب کیا (فجعلھم کعصف ماکول) ظاہر ہے کہ یہ عظیم الشان معجزہ ہے، کیونکہ قریش کے لیے ابرہہ کے لشکر گراں کو پارہ پارہ کر دینا تو درکنار اس کو شکست دے دینا بھی آسان نہ تھا[۱]

چھٹا اعتراض

مولانا میرٹھی کا چھٹا اعتراض یہ ہے۔

"عربیت کا صحیح ذوق قطعاً یہ گوارا نہیں کرتا کہ "ترمیھم" میں خطاب سنگباری کرنے والے اشخاص سے ہو، بریں تقدیر "ترمونھم" لانا ضروری تھا، اور اللہ تعالیٰ ترمیھم کے بجائے ترمونھم فرمانے سے عاجز نہ تھا"

مولانا فراہیؒ کو عربی ادب کا ذوق تھا یا نہیں، اس سے یہاں بحث نہیں ہے۔ البتہ اس قدر عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ خود مولانا میرٹھی نے صحیح ذوق کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت ملاحظہ ہو۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ، اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا لَکُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٌ (بقرہ ۱۰۶، ۱۰۷)	کیا تم نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کیا نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی یار و ناصر نہیں۔

---

[۱] تفسیر سورہ فیل ص ۵۹-۶۰ (مولانا فراہیؒ) طبع اصلاح پریس ۱۹۳۷ء

ان آیات میں خطاب صیغۂ واحد "الم تعلم" سے شروع ہوا ہے اور دوبارہ پھر واحد ہی کا صیغہ "الم تعلم" استعمال ہوا ہے، اور اس کے بعد "مالکم" میں جمع کی ضمیر آگئی ہے، عربی ادب کا ذوق رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر کے دونوں واحد کے صیغوں میں مخاطب جماعت کا ایک ایک فرد علیحدہ علیحدہ مراد ہے، پھر اس کے بعد پوری جماعت کو جمع کے صیغہ سے خطاب کیا گیا، کیا یہاں بھی کہا جا سکتا ہے کہ عربیت کے صحیح ذوق کے مطابق "الم تعلم" کے بجائے "الم تعلموا" ہونا چاہئے تھا، جیسا کہ "الم تر" کے بارے میں مولانا میرٹھی صاحب نے فرمایا ہے۔

دراصل یہ طریقۂ استعمال عربی زبان کا ایک خاص اسلوب ہے۔ اس کی تھوڑی سی تفصیل خود مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں ہم یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں، مولانا فراہیؒ لکھتے ہیں۔

"یہ زبان کا مخصوص اسلوب ہے جس میں واحد کا اطلاق جمع پر ہوتا ہے، گویا واحد کا لفظ ایک ایک کرکے پوری جماعت کو مخاطب کرتا ہے، کلام عرب اور قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت ہیں تورات میں جہاں کہیں خدا نے بنی اسرائیل کو واحد کے صیغہ سے خطاب کیا ہے، وہاں یہی اسلوب ملحوظ ہے، مفصل بحث "کتاب الاسالیب"[1] میں ملے گی، یہاں ہم صرف قرآن مجید سے بعض مثالیں نقل کریں گے۔

فرمایا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ (لقمان ۳۱)	نہیں دیکھتے کہ کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں اللہ کے فضل سے تاکہ تم کو اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔

اس آیت میں کلام، واحد کے صیغہ (الم تر) سے شروع ہوا، لیکن پھر "لیریکم" میں جمع کی ضمیر آگئی، کیونکہ واحد سے مقصود درحقیقت جمع ہی تھی۔

دوسری جگہ ہے۔

---

[1] یہ مولانا فراہی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے، جس میں قرآن مجید کے بیشتر اسالیب اور ان کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب "اسالیب القرآن" کے نام سے چھپ چکی ہے اور دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ	نہیں دیکھتے کہ خدا نے آسمانوں اور زمین
الْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ	کو ایک غایت کے ساتھ پیدا کیا ہے، اگر وہ
وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ	چاہے تو تمہیں فنا کردے اور تمہاری جگہ نئی
(ابراہیم 19)	مخلوق بسائے۔

اس آیت میں وہی اصول ملحوظ ہے، کبھی اس کے برعکس جمع سے کلام شروع ہوتا ہے، اور پھر واحد کی ضمیر آجاتی ہے، لیکن اس سے مقصود وہی جمع ہوتی ہے، مثلاً

ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ	میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن پر اترتے ہیں؟
الشَّیٰطِیْنُ، تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ	وہ لپاٹیوں اور گنہگاروں پر اترتے ہیں، وہ
اَثِیْمٍ، یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُھُمْ	کان لگاتے ہیں، حالانکہ اکثر جھوٹے ہوتے
کَاذِبُوْنَ، وَالشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ	ہیں اور شعراء کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں،
الْغَاوٗنَ، اَلَمْ تَرَ اَنَّھُمْ فِیْ	نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے
کُلِّ وَادٍ یَّھِیْمُوْنَ (شعراء: ۲۲۱-۲۲۵)	پھرتے ہیں۔

کلام شروع ہوا (انبئکم) ضمیر خطاب جمع سے اور پھر "الم تر" واحد کا صیغہ آگیا[1]

اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ "رمی" کا لفظ "طیر" کے لیے عربی زبان اور کلام مجید میں کہیں اور بھی استعمال ہوا ہے؟ ہمارے محدود مطالعہ کی حد تک کلام عرب میں اس کی کوئی مثال موجود نہیں ہے کہ "طیر" کے لیے "رمی" کا لفظ استعمال ہوا ہو، رمی کے معنی کسی چیز کو طاقت سے دور پھینکنے کے آتے ہیں چنانچہ لسان العرب میں ہے۔

قال المبرد معناہ مارمیت	مبرد نے کہا کہ "مارمیت اذ رمیت" کا
بقوتک اذ رمیت ولکن بقوۃ	معنی یہ ہے کہ تم نے اپنی قوت سے کنکری نہیں
اللہ رمیت[2]	پھینکی بلکہ اللہ کی قوت سے پھینکی۔

ظاہر ہے کہ رمی چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی چونچ اور چنگل سے نہیں ہوسکتی، دلچسپ بات یہ ہے کہ جن روایتوں میں اس کا ذکر ہے کہ چڑیوں کے چونچ اور چنگل میں چنے کی دال کے برابر

---

[1] تفسیر سورہ فیل ص ۱۲-۱۴ (از مولانا فراہیؒ) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا فراہی کی اسالیب القرآن

[2] لسان العرب ج ۴ ص ۳۳۵

سنگریزے تھے، خود ان میں بھی ان کے کنکریاں پھینکنے کے لیے "رمی" کے بجائے "القت" اور "ارسلت" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، اور "رمت" کا لفظ نہیں استعمال ہوا، خود بہت سے قدیم مفسرین کو بھی یہ لفظ کھٹکا ہے، چنانچہ انھوں نے اس کی عجیب وغریب تاویل کی ہے کہ چڑیاں مڑ کر اور عجیب ڈھنگ سے اپنے چونچ اور چنگل کو گھما کر دانوں کے برابر سنگریزے گراتی تھیں[1] پس عربیت کا ذوق اس سے قطعاً ابا کرتا ہے کہ چڑیوں کے لیے "رمی" کا لفظ استعمال ہوا اور "ترمی" کا فاعل انھیں مانا جائے۔

ساتواں اعتراض

اب مولانا میرٹھی کا ساتواں اعتراض ملاحظہ ہو۔

"مولانا فراہیؒ نے ابرہہ کے لشکر کا بے مثال شجاعانہ دفاع کرنے کا تمغہ اہل مکہ کے علاوہ ان حاجیوں کو بھی عطا فرما دیا ہے، جو اس سال حج کے لیے آئے تھے، حالانکہ اس وقت مکہ میں باہر سے آئے ہوئے کسی حاجی کے رہنے کی بات باور کرنے کے لائق نہیں ہے، باہر سے آئے ہوئے حاجی تو تیرہویں چودھویں ذی الحجہ کو اپنے اپنے وطن کو واپس ہو جاتے تھے، اور ابرہہ کا لشکر ماہ محرم میں وادی محسر پہنچا تھا۔"

مولانا کے اس اعتراض کا وزن اس وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب قطعی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ واقعہ فیل ماہ محرم ہی میں پیش آیا تھا، جبکہ اس سلسلہ میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چالیس روز قبل یہ واقعہ پیش آیا ایک قول پچاس روز قبل کا ہے ان کے علاوہ پندرہ سال قبل، دس سال قبل، تئیس سال قبل، تیس سال قبل یہاں تک کہ چالیس سال اور ستر سال قبل ولادت تک کے اقوال موجود ہیں[2] انہی میں سے ایک کو ترجیح دے کر مولانا فراہی بڑے وثوق و اعتماد کے ساتھ لکھتے ہیں کہ "علمائے سیر کے بیان کے مطابق ابرہہ کا حملہ موسم حج میں پیش آیا تھا"[3] گو اس موقع پر انھوں نے اس کے لیے کوئی حوالہ

---

[1] تدبر قرآن ج ۸ ص ۱۵ (از مولانا امین احسن صاحب اصلاحی) [2] دیکھئے روح المعانی جز ۳۰ ص ۲۲۳ تفسیر خازن ج ۷ ص ۲۴۵، بغوی کی معالم التنزیل پر حاشیۂ خازن طبع مصر ۱۳۳۳ھ اور الدر المنثور ج ۶ ص ۳۹۵ وغیرہ
[3] تفسیر سورہ فیل ص ۵۲ ۱۹۳۷ء

نہیں دیا ہے، مگر ان سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کوئی بے سروپا اور بے بنیاد بات لکھیں گے، ممکن ہے مولانا کے ذہن میں حوالہ موجود رہا ہو لیکن اپنی یادداشت پر اعتماد کے سبب اس کو درج نہ کرسکے ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا نے مختلف اقوال و قرائن سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہو کہ واقعہ فیل حج کے موسم میں پیش آیا تھا، جیسا کہ خود اہلِ عرب کے بیانات سے اس کا اشارہ ملتا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

تاریخ و سیر کی کتابوں میں تلاش و جستجو کے باوجود سر دست ہمیں مولانا فراہی کے اس قول کا کوئی حوالہ تو دستیاب نہیں ہوسکا، مگر جن لوگوں نے واقعہ فیل کا زمانہ، ماہ محرم، بتایا ہے ان کا ماخذ صرف محمد بن اسحاق کی بیان کردہ روایات ہیں، ظاہر ہے کہ ایسے اہم اور عظیم الشان واقعہ کے ثبوت کے لیے تنہا ایک شخص کی روایات کافی نہیں ہوسکتیں، وہ بھی ایسے شخص کی جس کی بہت سے اہل فن نے تضعیف بھی کی ہو، چنانچہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن اسحاق کے بارہ میں تہذیب التہذیب جلد ۹ میں لکھتے ہیں:۔

۱۔ وقال مالك، دجال من الدجاجلة (ص ۴۱)	امام مالک نے فرمایا کہ (محمد بن اسحاق) دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔
۲۔ وقال البخاری، ایضا محمد بن اسحاق ینبغی ان یکون له الف حدیث ینفرد بها (ص ۴۲)	اور امام بخاری نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق تقریباً ایک ہزار احادیث میں منفرد ہیں
۳۔ وقال یعقوب بن شعبه سمعت ابن نمیر یقول ..... وانما انی انه یحدث عن المجهولین احادیث باطله (ص ۴۲)	یعقوب بن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن نمیر سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ..... محمد بن اسحاق مجہول لوگوں سے باطل اور بے بنیاد روایتیں بیان کرتے ہیں۔
۴۔ وقال احمد بن حنبل کان محمد بن اسحاق یدلس (ص ۴۳)	امام محمدؒ نے فرمایا کہ محمد بن اسحاق تدلیس کیا کرتے تھے۔
۵۔ وقال عباس الدوری عن ابن معین محمد بن اسحاق ثقة ولیس بحجة (ص ۴۴)	عباس دوری ابن معین سے نقل کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ثقہ تو ہیں مگر حجت نہیں۔

۶۔ وقال ابن المدینی ثقة لـم یضعه عندی الا روایته عن اھل الکتب [۱]	ابن مدینی نے کہا کہ محمد بن اسحاق ہیں تو ثقہ مگر میرے نزدیک ان کا کوئی درجہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ اہل کتاب سے روایتیں لیتے ہیں۔ (ص ۴۵)

یہی وجہ ہے کہ محتاط علماء ومفسرین اور ارباب سیر وتاریخ اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہیں اور جن لوگوں نے اس کا ذکر بھی کیا ہے، تو انھوں نے مہینہ کی کوئی صراحت نہیں کی ہے، مثلاً امام فخر الدین رازی وغیرہ لکھتے ہیں۔

لم یکن بین عام الفیل ومبعث الرسول الا نیف واربعون سنة [۲]	عام الفیل اور بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین چالیس سال اور کچھ مہینہ کا وقفہ تھا۔

اس کے مقابلہ میں مولانا فراہیؒ کے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عکرمہ بن ہاشم بن عبد مناف نے صراحتاً اپنے شعر میں یہ کہا ہے کہ ابرہہ کے آدمی قربانی کے کچھ اونٹ بھی ہنکا لے گئے تھے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

لاھم اخز الاسود بن مقصود　　الآخذ الھجمة فیھا التقلید

خداوند! اسود بن مقصود کو رسوا کر جو قربانی کے اونٹوں کو جنکی گردنوں میں قلادے تھے ہنکالے گئے،

بین حراء وثبیر فالبید　　یحبسھا وھی اولات التطرید

حرا، ثبیر اور بید کے درمیان ان کو روکا اور وہ ہنکالے جانے کے لیے تھے۔

فضمّھا إلی طماطم سود　　اخفرہ یارب وانت محمود [۳]

پھر ان کو حبشی غلاموں کے حوالہ کیا، خداوند! ان کو اپنی ماں سے محروم کردے، تو سزاوار حمد ہے

ابن جریر طبری اور بعض دوسرے مورخین کے بیان میں بھی یہ صراحت ملتی ہے:

---

[۱] ہم نے یہ چند اقوال اس لیے نقل کر دیے ہیں تاکہ یہ ذہن میں رہے کہ واقعہ فیل میں چڑیوں کے پتھر مارنے کی تمام روایتیں انہی محمد بن اسحاق کی بیان کردہ ہیں اور ان سے پہلے کسی راوی کا پتہ نہیں، ویسے اس کتاب میں ان کے غیر معتبر ہونے کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں اور ساتھ ہی ان کی ثقاہت کے بھی بہت سے اقوال موجود ہیں مگر امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ حدیث انھیں بالکل ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں۔

[۲] تفسیر الفخر الرازی ج ۳۲ ص ۹۷　　[۳] تفسیر سورہ فیل ص ۵۲ ۱۹۳۷ء

ولما نزل ابرهة المغمس ..... وهمت قريش وكنانة ومن كان معهم بالحرم من سائر الناس بقتاله [1]	اور جب ابرہہ وادی مغمس میں خیمہ زن ہوا... اور قریش، قبیلۂ کنانہ، قبیلہ ہذیل اور وہ تمام لوگ جو اس وقت ان کے ساتھ حرم میں موجود تھے سب نے ابرہہ سے مقابلہ کی ٹھان لی۔

روایت کے الفاظ "ومن کان معھم بالحرم من سائر الناس" خاص طور پر غور طلب ہیں، قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اطلاق دس بیس آدمیوں کے بجائے ایک جم غفیر ہی پر ہوسکتا ہے، اگر یہ واقعہ ماہ محرم کا ہے جب کہ موسم حج ختم ہوچکا تھا اور مکہ اور اس کے قریب بازار، عکاظ اور ذی المجنہ وغیرہ بھی بند ہوگئے تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون لوگ اس وقت حرم میں آگئے تھے؟ ظاہر سی بات ہے کہ یہ حجاج کرام ہی ہوسکتے تھے دوسرے نہیں، ورنہ پھر "من سائر الناس" کا کیا مطلب ہوگا؟

ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے، سورہ فیل میں ہے "الم یجعل کیدھم فی تضلیل یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی مخفی چالوں کو ناکام بنادیا، اب یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مخفی چال کیا تھی؟ اس کا جواب مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

"قرآن مجید میں تصریح ہے کہ اصحاب فیل نے ایک مخفی تدبیر (کید) کی تھی، لیکن روایات میں اس کے حملہ کے جو وجوہ بیان کیے گئے ہیں، ان میں مخفی تدبیر کا کوئی پہلو نہیں ہے، وہ قوت کی نمائش اور عرب کی تذلیل کی ایک کھلی ہوئی کاروائی ہے، البتہ قابل اعتماد روایات[2] سے استنباط کرنے کے بعد کید (مخفی تدبیر) کے چند پہلو سامنے آتے ہیں، مثلاً

۱۔ اس نے اشہر حرم میں حملہ کیا، کیونکہ اس کو خیال تھا کہ عرب ان مہینوں میں جنگ وخونریزی سے احتراز کرتے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر ج ۳۰ ص ۳۰۱ [2] دیکھئے اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کی عام کتابوں میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں مولانا فراہیؒ نے ان پر اعتماد نہیں کیا ہے، بلکہ دوسری روایتوں پر اعتماد کیا ہے، اور وہیں سے یہ بات لی ہے کہ واقعہ فیل موسم حج میں پیش آیا تھا، تحقیق کے بعد اگر اس ماخذ کا پتہ چل گیا تو ان شاء اللہ ہم اسپر الگ سے لکھیں گے۔

۲۔ اس نے مکہ میں ایسے وقت داخل ہونا چاہا جب تمام اہل مکہ دوسرے عربوں کے ساتھ حج میں ہوتے ہیں۔

۳۔ اس نے خاص طور پر ایام تشریق میں حملہ کرنا چاہا کہ عرب یا تو منیٰ میں مقیم ہوں گے یا سفر کے تھکے ہارے گھروں کو واپس آ رہے ہوں گے۔

ان باتوں کو پیش نظر رکھ کر اب غور کرو کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی چالوں کو کس طرح برباد کر دیا۔

۱۔ ان کی فوج کو بطن محسر ہی میں روک دیا۔

۲۔ محسر کے پتھروں سے عربوں نے اسلحہ کا کام لیا۔

۳۔ خدا نے آسمان سے سنگریزے برسانے والی آندھی بھیجی۔"

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ فیل کا موسم حج میں پیش آنا زیادہ قرین قیاس ہے، کیونکہ اس سے زیادہ بہتر اور موزوں توجیہہ کوئی اور نہیں بنتی ہے، مولانا میرٹھی صاحب کی نظر کید کے نکتہ کی جانب نہیں گئی، اس لیے انھوں نے اس کی مراد سے کوئی بحث نہیں کی، چنانچہ ان کی بیان کردہ تفصیلات میں اس مخفی تدبیر کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا، مولانا نے "کید" کا ترجمہ "منصوبہ" کیا ہے، اس کے باوجود ہمارا سوال اپنی جگہ برقرار ہے، کیونکہ منصوبہ بھی دو طرح کا ہوتا ہے، ایک پوشیدہ اور ایک ظاہر، اور جب اس کے لیے "کید" استعمال کیا جائے گا تو اس سے پوشیدہ منصوبہ ہی مراد ہوگا، نہ کہ ظاہر۔

آٹھواں اعتراض

مولانا شبیر احمد صاحب میرٹھی اپنے آٹھویں اعتراض کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا فراہیؒ نے سنا ہے کہ جاہلیت کے شعراء و خطباء کے کلام کا بڑا گہرا مطالعہ فرمایا تھا، اور عربی زبان سے کما حقہ واقفیت کے لیے اس کا مطالعہ بلاشبہہ نہایت مفید ہے، لیکن اس مطالعہ کی وجہ سے مولانا کے ذہن میں جاہلیت کے عربوں کی جو اخلاقی تصویر مرتسم ہو گئی تھی وہ صحیح نہ تھی، مولانا فراہیؒ کے گمان میں عام اہل عرب شجاعت، سخاوت، خودداری و عزت نفس میں دگر ممالک کے باشندوں سے فائق و ممتاز تھے، یہ سراسر غلط ہے، کسی قبیلہ میں اکا دکا اشخاص ایسے بلند اخلاق

ہوں تو ہوں، عام اہلِ عرب ایسے نہ تھے، وہ بہادر تھے آپس میں قتل وغارت کرنے کے لیے، لیکن عجمی اقوام یعنی ایرانیوں اور رومیوں، حبشیوں اور مصریوں سے ایسے ہی مرعوب تھے جیسے انگریزوں کے دور میں ہندوستان کے باشندے انگریزوں سے مرعوب رہا کرتے تھے، وہ حد درجہ لالچی اور کنجوس تھے، اپنے یتیموں پر بھی انھیں رحم نہیں آتا تھا، دگر مسکینوں کا ذکر ہی کیا، ان کے شعراء نہایت جھوٹے ہوتے تھے ..... پس یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ اہل مکہ نے ابرہہ کے لشکر پر سنگباری کرنے کی جرارت کی تھی۔"

ہمیں پھر افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑ رہا ہے کہ مولانا میرٹھی کا یہ اعتراض بھی عربوں کی صحیح عادات وخصائل سے بالکل عدم واقفیت کا نتیجہ ہے یا پھر مولانا اپنے مخصوص نظریات کی تائید و حمایت میں جاہلی عربوں سے متعلق تاریخی حقائق اور واقعات سے بالارادہ چشم پوشی کر رہے ہیں۔

جاہلی عربوں کی جو تاریخ محفوظ ہے اس کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ "قریش اور بنو اسماعیل کا تمام تر سرمایۂ فخر وناز ہمیشہ شہسواری، شمشیر زنی، قدر اندازی اور فیاضی ومہمان نوازی رہی ہے، یہاں تک کہ غیروں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ اسی جوہر کی بدولت انھوں نے کبھی اپنی آزادی پر آنچ نہ آنے دی" ان کے اس مسلم شرف کو معقول دلیل وشہادت کے بغیر نہ ماننا، ان کو گیدڑوں سے تشبیہ دینا اور حد درجہ لالچی اور کنجوس بتانا بڑی جرارت کی بات ہے، ہم مولانا کے اس اعتراض کو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ یہ سراسر غلط ہے کہ عام اہلِ عرب شجاعت، سخاوت، خودداری وعزت نفس میں دیگر ممالک کے باشندوں سے فائق تھے، وہ رومیوں، ایرانیوں وغیرہ سے ایسے ہی مرعوب تھے جیسے انگریزوں کے دور میں ہندوستان کے باشندے انگریزوں سے مرعوب تھے۔

۲۔ وہ حد درجہ لالچی اور کنجوس تھے، اپنے یتیموں پر بھی انھیں رحم نہ آتا تھا۔

۳۔ ان کے شعراء نہایت جھوٹے ہوتے تھے (مولانا میرٹھی)

ان میں سے ہر دعوی کے بالمقابل ہم علماء محققین اور نامور مورخین کی شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ سب سے پہلے ہم مشہور مستشرق عالم ڈاکٹر گستاولیبان کی شہرہ آفاق کتاب "تمدن عرب" سے دو اقتباسات نقل کرتے ہیں، جو علی الترتیب پہلے اور دوسرے اعتراضات کو رد کرنے اور عربوں کے اصل روپ کو سامنے لانے کے لیے کافی ہیں۔

ا۔ "یونانی چوتھی صدی قبل مسیح سے بھی پہلے سے عربستان سے واقف تھے، اور اس ملک کی دولت نے اسکندر کو اس کے فتح کرنے پر آمادہ کیا، نیارکس[1] نے جزیرۂ نمائے عرب کے گرد جو بحری فوج کشی کی اس کا نتیجہ عنقریب ظاہر ہونے والا تھا، لیکن اسکندر کی وفات نے اسے روک دیا،..... لیکن جس وقت اینٹگون[2] شام اور قینیہ پر قابض ہوگیا، اس نے اپنے ایک سربرآوردہ سپہ سالار کو نبطیوں کے مقابلہ میں بھیجا، یہ سپہ سالار حملہ ناگہانی کرکے پٹرا پر قابض ہوگیا، لیکن اس کی ساری فوج جس کی تعداد چار ہزار چھ سو تھی بالکل برباد ہوگئی، اس کے بعد اینٹگون نے اپنے بیٹے ڈمٹرس کو ان کے مقابل بھیجا، ہردوط لکھتا ہے کہ جس وقت ڈمٹریس پٹرا میں پہنچا تو عربوں نے اس سے یہ کہا "اے شاہ ڈمٹریس تو ہم سے کیوں لڑتا ہے، ہم ایک ایسے بیابان کے رہنے والے ہیں جہاں شہر والوں کو مایحتاج مطلق نہیں مل سکتیں، ہم نے ایک اس قسم کے بے پیداوار ملک میں رہنا اسی وجہ سے اختیار کیا ہے کہ ہم ہرگز غلام بننا نہیں چاہتے..... اگر تو محاصرہ کو طول دینا چاہتا ہے تو بہت جلد تجھے ہر قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا، اور تو ہرگز ہمیں مجبور نہیں کرسکے گا،..... ڈمٹریس نے اس صلح کے پیغام کو غنیمت جانا اور خوشی خوشی تحائف لے کر ایک ایسی لڑائی کو ختم کردیا جس میں اسے سخت مشکلات معلوم ہو رہی تھیں....."

ان کی (عربوں) لوٹ مار اور ان کی چڑھائیوں پر روم کے شاہنشاہوں کو جن کا ملک دریائے فرات تک پہنچ گیا تھا، سخت غصہ آیا اور انھوں نے ان کی گوشمالی کے لیے عربستان کو مستانی پر کئی لشکر کشیاں کیں، لیکن اس کا نتیجہ اسی قدر ہوا کہ یا تو چند روزہ خراج وصول ہوا یا چند روز کے لیے جنگ وجدل موقوف ہوگئی، یہ بدوی اقوام اس وقت بھی اسی طرح جنگ کرتی تھیں جیسے اب کرتی ہیں۔"

شاہنشاہ اگسٹس[3] نے اس دولت کی لالچ میں جو سالہا سال سے یونانی

---

[1] یہ سکندر کا سپہ سالار تھا، [2] یہ بھی سکندر کے سپہ سالاروں میں تھا اور شام اور قینیہ کا ملک اس کو ملا تھا۔
[3] اگسٹس سب سے پہلا شاہنشاہ روم تھا، اس کے وقت میں روم کی سلطنت جمہوری کا خاتمہ ہوا =

اور ادمی مورخین کے متخیلوں میں بھری ہوئی تھی، ایک چڑھائی یمن پر کی، لیکن یہ مطلق سرسبز نہ ہوئی اور شاہنشاہ ثانی بیرسؔ[۱] کے زمانہ میں البتہ اتنا ہوا کہ عربستان کا ایک چھوٹا سا گوشہ جہاں اکثر بدوی اقوام رہتی تھیں، چند روز کے لیے فتح ہو گیا۔"

جس وقت رومیوں کا دارالسلطنت قسطنطنیہ میں آیا، اس وقت عربوں نے دریائے فرات کی حکومت کے لیے ایرانیوں اور یونانیوں کا مقابلہ کیا۔

اس مختصر کیفیت سے ثابت ہوتا ہے کہ باستثنائے سرحدات شمالی عربستان بالکل غیر اقوام کی فتوحات سے محفوظ رہا۔ وہ بڑے بڑے مصری، یونانی، رومی اور ایرانی وغیرہ ملک گیر جنھوں نے تمام دنیا کو تہ وبالا کر ڈالا، عربستان کا کچھ بھی نہ کر سکے اور اس عظیم الشان جزیرہ نما کا دروازہ مطلق بند رہا......... کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے تمام مہذب ملکوں میں عربستان ہی کا ملک ہے جس کا بڑا حصہ غیر اقوام کی حکومت سے بچا رہا ہے"۔[۲]

۲۔ "دیورٹ لکھتا ہے کہ عربوں کے خصائص میں شاید وہ خاصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے جو لوٹنے کے ولولہ اور مہمان نوازی کے جوش سے مل کر پیدا ہوئی ہے، غارت گری کا اشتیاق اور اس کے ساتھ فیاضی، شدید بے رحمی اور پھر کشادہ دلی، وہ خاصیتیں ہیں جو ان کے اوصاف اضداد کو ہمارے سامنے لاتی ہیں اور ایک ہی تقریر میں ایک ہی شخص کی نسبت بیس مرتبہ ہم سے آفریں اور نفریں کہلواتی ہیں....... ہمیں ایسے خصائص قبیحہ کے ساتھ ہرگز ہمدردی نہ ہوتی اگر انہی کے مقابل میں اعلیٰ درجے کے اوصاف بھی نہ ہوتے، وہی مرد کارزار جس کے ہاتھ سے لوٹ کے اشتیاق یا غیرت کے جوش میں شدید سے شدید بے رحمی کے افعال سرزد ہوتے ہیں، جس وقت اپنے خیمہ میں بیٹھتا ہے تو ایک مہربان میزبان بن جاتا ہے، اور اعلیٰ تواضع سے پیش آتا ہے جو کوئی مصیبت زدہ ان کی

= اور بادشاہت قائم ہوئی، سال ولادت ۶۳ ق م اور سال وفات ۱۴ء ہے۔

[۱] ثانی بیرسس دوسرا شاہنشاہ روم اور اگسٹس کا بیٹا تھا۔ سال ولادت ۴۲ ق م سال وفات ۳۷ء ہے۔

[۲] تمدن عرب صفحہ ۸۲-۸۳ مطبوعہ اتر پردیش اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵ء

پناہ میں آگیا، جس نے ان حمیت پر بھروسہ کیا، تو پھر اس کی مدارات دوستوں کی سی نہیں ہوتی بلکہ عزیزوں اور قرابت داروں کی سی، اس مہمان کی جان مقدس و محترم ہو جاتی ہے اور میزبان کو اس کی حفاظت خود اپنی جان پر کھیل کر بھی واجبات سے ہوتی ہے، اگرچہ اس پر یہ کیوں نہ ثابت ہو جائے کہ جو شخص اس کی پناہ میں بیٹھا ہے، یہ وہ دشمن جانی ہے جس کی تباہی کی وہ سو بار آرزو کر چکا ہے، اسے شاید اس میں بھی تأمل نہ ہوگا کہ مراسم مہمانداری کو عمدہ طور پر اور کشادہ دلی سے ادا کرنے کے لیے اپنے ہمسایہ کا اونٹ بزور چھین لائے یا حسن تقریر سے مانگ لائے۔"[1]

ان دونوں بیانات کو پیش نظر رکھ کر مولانا کے دونوں الزامات کا جائزہ لیجیے اور خود فیصلہ کیجیے کہ کیا مولانا کا بیان صحیح ہے یا ان مورخین کا اعتراف حقیقت، جن کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ عربوں، مسلمانوں اور اسلام کی ایسی تصویر کشی کریں کہ ساری دنیا ان سے متنفر ہو جائے اور انھیں حقیر، ذلیل اور رسوا سمجھنے لگے؟ غیروں کے یہ دونوں اقتباسات نمونہ کے طور پر پیش کیے گئے ہیں ورنہ تاریخ عرب کی تمام کتابیں عربوں کی غیرت و حمیت، عزت و خودداری، حلم و بردباری، ہمت و دلیری، شجاعت و بہادری، شہسواری و شمشیر زنی اور حریت پسندی نیز ان کی فیاضی و مہمان نوازی، پڑوسیوں کی حفاظت اور غریبوں اور مسکینوں کی اعانت کے تذکرے سے بھری پڑی ہیں۔

۴۔ اب ڈاکٹر یحییٰ جبوری استاذ جامعہ قطر کی اہم تصنیف "الشعر الجاہلی" کی ایک عبارت کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اشعار کو عربوں کے یہاں بڑی اہمیت حاصل تھی، کیونکہ یہ عربوں کے مفاخر، آثار اور ان کے اوصاف میں شامل تھے، اشعار صاحب کلام کی نفسیات، مناقب، بہادری، دلیری، جنگجوئی، غم و غصہ، خوشی و مسرت، جود و سخا اور عدل و وفا جیسے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں، اور اچھی بری عادتوں کو واضح کرتے ہیں، یہ اشعار صاحب کلام کی زندگی اور ان کے گرد و پیش کے واقعات، حادثات اور ان کے حسب و نسب کو محفوظ رکھتے ہیں، اسی بنا پر اشعار عرب کو "عربوں کا دیوان" (تاریخ) کہا جاتا ہے، ابو الہلال عسکری کہتے ہیں "عربوں کے حسب و نسب اور ان کی زندگی کے مختلف

---

[1] تمدن عرب ص ۵۷-۵۸

ادوار اور واقعات کی معرفت انہی اشعار سے حاصل ہوتی ہے، اس لیے یہ عربوں کا دیوان (تاریخ) ان کی حکمت کا مخزن اور ان کے علم وادب کا گنجینہ ہیں، جب کبھی وہ عزت و رفعت اور نصرت و ظفر مندی سے ہمکنار ہوتے یا کوئی اہم واقعہ پیش آتا تو فوراً اسے اپنے قصیدہ میں نظم کر لیتے تھے، کہ قصیدہ ہی ان کے نزدیک سب سے زیادہ دیرپا اور محفوظ رہنے والی چیز تھی، ان کے نزدیک اپنے کارناموں کو محفوظ رکھنے کا یہی طریقہ تھا[۱]" جاحظ کی کتاب الحیوان میں ہے "دنیا کی ہر قوم اپنے مآثر و محاسن اور کارناموں کی بقا اور حفاظت کے لیے کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور اختیار کرتی ہے، دورِ جاہلیت کے عرب اپنے کارناموں کی حفاظت کے لیے موزوں کلام پر اعتماد کرتے تھے، چنانچہ ان کا کلام ہی ان کا دیوان ہے[۲]" ابن عبدالسلام کا بھی یہی خیال ہے کہ "شعر ہی دورِ جاہلیت کا دیوان، ان کے علم وحکمت کا منتہیٰ اور ان کی معلومات کا خزانہ تھا، اور جب باہم مفاخرت کا موقع آتا تھا تو اسی کی طرف مراجعت کرتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرماں ہے کہ "شعر ایک ایسی قوم کا علم ہے جس کے یہاں اس سے زیادہ صحیح کوئی دوسرا علم نہیں تھا[۳]"

یہ ہیں اشعارِ جاہلیت کے متعلق علماء وادباء کے بیانات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان، اب آپ خود مولانا شیر احمد صاحب کے اس دعویٰ کی صداقت کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ "ان کے شعراء نہایت جھوٹے ہوتے تھے"[۴]

---

[۱] کتاب الصناعتین ص۱۳۸ [۲] کتاب الحیوان ۱/۷۱-۷۲ [۳] طبقات الشعراء ص۲۲

[۴] ان بیانات کے نقل کرنے سے ہمارا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ عربوں کے اندر کوئی برائی تھی ہی نہیں بلا شبہ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کے اندر بہت سی خراب قسم کی خصلتیں بھی پائی جاتی تھیں، جنھیں اسلام نے آکر دور کیا، اور پھر اپنی برکت اور ان کے جوہر ذاتی کی بدولت ان سے دنیا کی سیادت و قیادت اور حق کی رہنمائی کا کام لیا، فطرت کی اسی صالحیت اور ذاتی ذہانت و قابلیت کی بنیاد پر ہی دنیا کی تمام متمدن اقوام کے بالمقابل انھیں عربوں کو اسلام جیسی عظیم تحریک کی امانت سونپی گئی، اس لیے کہ وہی دراصل اس کے اہل تھے، عربوں کے محاسن ومثالب کا اگر طالب علمانہ طور پر فکر ونظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت نہایت واضح طور پر معلوم ہو جائے گی کہ ان کے معائب کا بڑا حصہ درحقیقت ان کو صحیح تربیت نہ ملنے کی وجہ سے تھا، اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ اگر کسی صالح اور=

نواں اعتراض

مولانا میرٹھی اپنے آخری اعتراض کے تحت رقمطراز ہیں۔

"اگر اہل مکہ نے یہ عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہوتا تو شعرائے قریش نہایت فخر و مباہات کے ساتھ اس کا ذکر کرتے، اور قریش کی شجاعت و بسالت کا اپنے قصیدوں میں وہ صور پھونکتے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی، حالانکہ اس دور کے کسی بھی قریشی یا غیر قریشی شاعر نے لشکر ابرہہ کی تباہی کو انسانی شجاعت کا ثمرہ نہیں بتایا، جس شاعر نے بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔"

یہ صحیح ہے کہ شعرائے قریش نے فخر و مباہات کے طور پر لشکر ابرہہ سے اپنی معرکہ آرائی کا بہت زیادہ ذکر نہیں کیا ہے، لیکن اس کے علاوہ عین وقت پر غول در غول چڑیوں کا نمودار ہونا اور مخصوص جماعت[1] پر ہی پتھر مارنا اور ان کو کھائے ہوئے بھس کی طرح بنا دینا بھی کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، مگر عرب شعراء نے اس کا بھی تو ذکر نہیں کیا ہے، اگر ابرہہ کا لشکر چڑیوں کی سنگ باری سے تباہ ہوا ہوتا، تو عرب شعراء جہاں اس واقعہ کو محض اللہ کی آیت و قدرت اور اس کی غیبی مدد کے طور پر ذکر کرتے ہیں، وہیں چڑیوں کے اس عجیب و غریب اور غیر متوقع عمل کا بھی ذکر ضرور کرتے، مگر ایسا نہیں ہے مولانا میرٹھی صاحب نے جو اشعار نقل کیے ہیں یا جو دوسری کتابوں میں مذکور ہیں، ان میں شعراء نے چڑیوں اور پتھروں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن یہ کہیں نہیں ہے کہ یہ پتھر چڑیوں نے پھینکے، بلکہ انھوں نے اس سنگ باری کو "حاصب اور ساف" کا نتیجہ قرار دیا ہے، چنانچہ ابوقیس کہتا ہے۔

فارسل من ربہم حاصب یلفہم مثل لف القزم

پھر اللہ کی طرف سے ان پر "حاصب" چلی جو خس و خاشاک کی طرح ان کو لپیٹ لیتی تھی

ابوقیس بن اسلت یثربی کہتا ہے۔

فلما اجازوا بطن نعمان ردھم جنود الالہ بین ساف وحاصب[2]

= زرخیز زمین کا کوئی ہوشیار مالی نہ ہو جو اس کی دیکھ بھال کرتا رہے، تو اس میں گل و لالہ کے ساتھ بیگانے پودے بھی بہت اگ آتے ہیں۔ [1] تفسیر ابن کثیر میں ہے فجاءت حتی صفت علی رؤسہم ج ۴ ص ۵۵۵، اسی طرح کے الفاظ روح المعانی میں بھی ہیں۔ [2] "حاصب" کا لفظ قرآن مجید میں بھی آیا ہے، مفسرین نے اس کے معنی ایسی تند ہوا کے لیے =

جونہی وہ بطن نعمان سے آگے بڑھے، خدا کی فوجوں نے "ساف" اور "حاصب" کے درمیان نمودار ہو کر ان کو پسپا کر دیا۔

ان اشعار میں چڑیوں کی سنگباری کو نہ بیان کرنے کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں تھا۔

ایسا نہیں ہے کہ عربوں نے اپنی معرکہ آرائی کا بالکل ہی ذکر نہیں کیا ہے، دراصل ابرہہ کے ساتھ ان کے معرکہ آرائیوں کا ہر جگہ چرچا تھا، بعض شعراء نے اس پر فخریہ اشعار بھی کہے ہیں۔ غالباً مولانا ان سے ناواقف ہیں اسی وجہ سے انھوں نے ایک بے بنیاد دعویٰ کر ڈالا، قدیم اسلامی شاعر ذوالرمہ کہتا ہے۔

وابرهة اصطادت صدور رماحنا جهارا وعثنون العجاجة اكدر

اور ہمارے نیزوں نے علانیہ ابرہہ کا شکار کیا اور فضا میں کثیف غبار کا ستون قائم تھا۔

تنحى له عمرو فشك ضلوعه نبافذة بخلاء والخيل تبصر[1]

عمر نے اس کی طرف لپک کر نیزے کے کاری زخم سے اس کی پسلیاں توڑ دیں اور شہسوار ثابت قدم تھے

دیکھئے ان شعروں میں صراحت ہے کہ اس کی قوم کے ایک آدمی نے ابرہہ کو نیزہ بھی مارا، اور یہ واقعہ جس دن پیش آیا اس دن فضا نہایت غبار آلود تھی اور تاحد نظر آسمان تک غبار ہی غبار دکھائی دیتا تھا، تاہم اس واقعہ کا بہت زیادہ ذکر اس لیے نہیں ہے کہ دراصل ان کی سنگ باری کے پردہ میں سخت آندھی اور طوفان کے ذریعہ ایسی شدید خدائی سنگباری ہوئی کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے اور جو بھاگ سکے وہ وہیں چبائے ہوئے بھس کی طرح ہو گئے، یہ خدا کی قدرت کاملہ کا ایک عظیم الشان معجزہ تھا، وہ قریش کے لیے ابرہہ کے لشکر جرار کو پارہ پارہ کر دینا تو درکنار اس کو شکست دے دینا بھی آسان نہ تھا، اس لیے شعرائے عرب نے اس واقعہ کو محض اللہ کی آیت و قدرت اور اس کی غیبی مدد کے طور پر ہی ذکر کیا ہے، یہ عربوں کی بلند ظرفی، ان کے اعلیٰ اخلاق اور حقیقت پسندی کی وہ کھلی ہوئی دلیل ہے جس کی بلا ثبوت مولانا تردید کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اگر طوالت کا خوف دامن گیر نہ ہوتا تو ہم مولانا فراہیؒ کی تفسیر سے ان اسباب کو بھی بیان کرتے جن کے باعث لوگوں کو "ترميهم بحجارة من سجيل" کی تفسیر میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے، اور انھوں نے اس کی تاویل میں ان روایتوں پر اعتماد کر لیا جو بقول مولانا فراہیؒ "یک قلم بے بنیاد ہیں، از روئے سند ان میں سے ایک روایت بھی قابل اعتماد نہیں، یہ تمام روایات ابن اسحاق تک منتہی ہوتی ہیں اور اہل فن کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ یہ یہود اور غیر ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں[2]" واللہ اعلم بالصواب۔

= ہیں جو زور اور شدت کی وجہ سے زمین سے کنکریاں اور سنگریزے اٹھا لیتی ہیں اور لفظ "ساف" تو چڑیوں کے لیے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا "ساقی" اس ہوا کو کہتے ہیں جو گرد و غبار، خس و خاشاک اور درختوں کی خشک پتیاں اڑاتی ہوئی چلتی ہے۔

[1] تفسیر سورہ فیل (مولانا فراہی) صـ۵۱ [2] ایضاً صـ۴۹